اہلسنت و جماعت

انتشار و پسپائی کے اسباب اور ان کا تدارک

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

۱۳/محرم الحرام مطابق ۳۱/دسمبر ۲۰۰۹ءکو جامعہ اشرفیہ میں یومِ مفتیِ اعظم ہند کا انعقاد ہوا۔ جشن کا اہتمام حسب روایت جماعتِ سابعہ نے کیا تھا۔ توسیعی خطبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے آئے ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی نے پیش کیا، موضوع تھا "اہلِ سنت و جماعت: انتشار و پسپائی کے اسباب اور ان کا تدارک" یہ اہم خطاب قارئین کی میز پر بھی پیش ہے۔ امید ہے کہ سنجیدہ اور باشعور طبقہ اسے ضرور پسند کرے گا۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

ذی مرتبت سربراہانِ جامعہ، ذی وقار علمائے کرام، عالی مقام اساتذۂ عظام اور طلبۂ عزیز!

الحمدللہ! مرکزِ اہلِ سنت جامعہ اشرفیہ کی زیارت کرنے، ان سے مستفیض ہونے کی دیرینہ آرزو آج پوری ہوئی ہے۔ خصوصاً اپنے جواں سال اور پرجوش طلبۂ عزیز سے ملنے، ان سے گفتگو کرنے، ان تک ایک پیغام پہنچانے اور ان کے جذبۂ عمل کو مہمیز کرنے کا جذبہ ہی مجھے یہاں لایا ہے۔ خدا کرے کہ میری محنت اور جذبہ ثمر آوار ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سعی و عمل کی توفیق عطا فرمائے اور میری بے چینی و بے قراری کو فرحت و انبساط سے شادکام کرے۔ آپ لوگ دین و مسلک کے پرجوش اور پر عزم مجاہد و مبلغ ثابت ہوں۔ آمین۔

میری صمیم قلب سے گزارش یہ ہے کہ میری عرض داشت کو بغور اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سماعت فرمائیے، اس میں نظر آنے والی تلخی و درشتی پر نہ جائیں، اسے کسی کے خلاف نہ سمجھیں، بلکہ ایک بے چین کی آہ و فریاد سمجھتے ہوئے اس پر غور فرمائیں۔ یقین جانیے جس کا گھر، جس کا اثاثہ لُٹ رہا ہو وہ بے قرار ہو کر اِدھر اُدھر بھاگتا ہے، عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہے، ایک ایک کو پکارتا ہے، ہر ایک سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ اس وقت وہ الفاظ کے پیچ و خم میں نہیں پڑتا۔ مقفی و مسجع الفاظ نہیں بولتا بلکہ جو خیال اور جو زبان پر آتا ہے وہی کہتا ہے۔

الفاظ کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

اس وقت دانائی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ جس طرح بھی ہو، پیغام کی ترسیل ہو جائے اور گوہرِ مراد حاصل ہو جائے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتا نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

یہی کیفیت اس وقت میری ہے۔ میں اپنے اہلِ مسلک کو کمزور و پسپا ہوتے دیکھ کر سکڑتے و سمٹتے دیکھ کر بے چین و بے قرار ہوں، فکر مند ہوں اور اس بے چینی و بے قراری اور فکر مندی کو ہر ایک کے دل و دماغ میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے ہر ایک سے کہتا ہوں کہ بھائی کچھ کرو۔

حضرات! چوں کہ قدیم مراکز اور عمر رسیدہ لوگوں کا جوش و ولولہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ ان میں جوش سے زیادہ ہوش کی اور اپنے ذاتی مفادات کی حفاظت کی فکر غالب ہو جاتی ہے، پھر ہمارے سب نہیں لیکن اکثر مراکز پر ان لوگوں کا قبضہ ہے جو اپنے بزرگوں کی کمائی اور وراثت کو کیش کر رہے ہیں اور اس سے عیش کر رہے ہیں۔ ان میں سے بیش تر علم و عمل سے بھی کورے ہیں، حالات سے بے خبر بھی ہیں اور نہ باخبر ہونا چاہتے ہیں۔ بے حسی اور تن آسانی کا لبادہ اوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے مرغ و بریانی اور نذرانے میں تو کمی آ نہیں رہی ہے، پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ملت و مسلک کے غم میں پڑ کر اپنا آرام و سکون برباد کریں، پریشانیاں اور دشمنیاں مول لیں، اس لیے جو ہو رہا ہے، ہونے دو۔ ایسے لوگوں کے پاس مشیتِ الٰہی یہی ہے، قربِ قیامت میں یہی ہونا ہے۔ اہلِ حق کو کم زور ہی ہونا ہے، گم راہی و بے دینی بڑھنی ہی ہے۔ یہ اور ان جیسے جملے اور نسخے بھی موجود ہیں، ان کی آڑ میں وہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اس وقت انھیں اپنے بزرگوں کی وہ محنتیں، لگن اور کوششیں یاد نہیں آتیں کہ انھوں نے کس طرح خلقِ خدا

کو راہِ راست پر لانے کے لیے جد وجہد کی تھی۔ اپنے آرام وسکون کو برباد کر کے دور دراز کے علاقوں اور دشمنوں کے بیچ پہنچ کر اعلاے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا تھا۔ اس لیے تو ایسے تن آسان اور نا اہل و ناخلف لوگوں کے لیے اقبالؔ نے کہا تھا۔

میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

طلبۂ عزیز! آپ نوجوان ہیں۔ آپ کا جامعہ اور یہ مرکزِ اہلِ سنت بھی جدید و جوان ہے۔ جوانوں میں ہی کچھ کر گزرنے، انقلاب لانے اور حالات کو بدلنے کی ہمت و جرأت اور جوش وولولہ ہوتا ہے۔ کسی بھی تحریک کو عوامی شکل دینے میں نوجوان طبقہ کا سب سے بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ نوجوان قیادت کے اندر کچھ کر گزرنے کا عزم وولولہ ہوتا ہے۔

ع: اگر ہے جوشِ ولولہ توڈال دوگے زلزلہ

اسی لیے میں آپ کے پاس یہ فریاد لے کر آیا ہوں کہ کچھ کیجیے، یہی کرنے کا وقت ہے۔ دوسروں کو دیکھیے کہ وہ کس طرح اپنے مسلک ومشن کے فروغ کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں، بھاگے پھر رہے ہیں، دور دراز کے سفر کر رہے ہیں، جان ومال اور وقت کی قربانی دے رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو گھیر کر اپنے خیمے میں لا رہے ہیں۔

اٹھوّ، وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو، زمانہ چال قیامت کی چل گیا

عزیزانِ گرامی! آپ خوش قسمت ہیں کہ اپنے ہم خیال و ہم عقیدہ لوگوں کے درمیان رہتے ہیں، اسی لیے آپ کو اس فکر اور بے چینی کا احساس کم ہوتا ہے جو ہم جیسوں کو مقدر میں ہے۔ میرے اندر دراصل یہ بے چینی اور فکر نہ صرف حالات کو بغور دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے بلکہ تلخ تجربے سے گزرنے کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ میرے آبائی شہر امروہہ میں (جسے شہر اولیا کہا جاتا تھا)۔ اب سے ستر اسی سال پہلے تک تقریباً ساری آبادی سنی حنفی تھی اور نوّے فی صد مساجد میں سنی امام ہوتے تھے لیکن ہمارا مدرسہ کچھ ناعاقبت اندیش ونادان دوستو ں کے بدولت شکست وریخت کا شکار ہوا۔ جب مدرسہ ختم ہوا تو مساجد بھی اماموں سے خالی ہوگئیں۔ ادھر ان کا مدرسہ ترقی کرتا رہا، نتیجے میں تمام مساجد میں ان کے امام آگئے اور آج یہ عالم ہے کہ پورے شہر میں صرف چند مساجد ہی سنیوں کے قبضے میں رہ گئی ہیں۔ مساجد پر قبضے کو وہ لوگ اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں، کیوں کہ مسجد کے ساتھ چند دن میں پورا محلہ ان کے قبضے اور حلقۂ اثر میں آجاتا ہے۔ اس لیے جوڑ توڑ اور سازشوں کے ذریعہ وہ مساجد پر قبضہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے استاذِ محترم مولانا زاہد سلامی صاحب جانتے ہیں کہ کس طرح میرے پڑوس کی اور میرے زیرِ انتظام مسجد پر قبضہ کیا گیا۔ میں اس کے لیے بیس سال سے زائد عرصہ تک مقدمہ بازی کرتا رہا، کامیاب بھی رہا مگر افرادی قوت مفقود رہی۔ اس کے لیے بااثر سنیوں کو مدد کے لیے پکارتا رہا۔ حضرت سلامی صاحب کے ساتھ بھی اور بارہا علاحدہ بھی سنبھل، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ کے چکر لگاتا رہا۔ جس نے بھی مدد کا وعدہ کیا یا جس سے بھی امید ہوئی اس کے پاس دس دس بار گیا۔ سنبھل کے ایک بڑے حضرت اس وقت کے گورنر کے بہت قریب تھے، انھوں نے بڑے بڑے وعدے کیے، چکر بھی لگوائے مگر کیا کچھ بھی نہیں۔

اہلِ سنت کے افراد کو عموماً وقف بورڈوں، حج کمیٹیوں اور مسلمانوں سے متعلق دیگر امور میں کام کرنے کا موقع کم ہی ملتا ہے اور اگر کسی کو ملتا بھی ہے تو وہ مسلک کے لیے کام کرنے کے بجائے ذاتی منفعت میں لگ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ زادے وقف بورڈ کے ممبر ہوئے اور بااثر ممبر ہوئے، لیکن انھوں نے درخواست کے باوجود رُخ بھی نہیں کیا، بلکہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ اور بظاہر کئی اور سچے پکے سنی، اسی نام پر کمانے کھانے والے، اور سنیت کا دَم بھرنے والے کئی ممبران پیسہ لے کر اغیار کا کام کر رہے ہیں۔ انھیں اس سے غرض نہیں کہ ہونے والا مہتمم یا سکریٹری سنی ہے یا غیر۔ انھیں تو بس اپنا نذرانہ چاہیے، اوقاف و درگاہیں کہیں بھی جائیں۔

یہ کسی ایک مسجد، درگاہ یا وقف کا قصہ نہیں ہے، صدہا مساجد و مکابر اور درگاہیں بے حس و بے غیرت گندم نما جو فروشوں کے ہاتھوں سے دستِ اغیار میں گئی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے تو اقبال نے کہا تھا۔

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

بہر حال یہ ایک طویل داستانِ غم ہے جس سے آپ بھی بڑی حد تک واقف ہیں اور اس صورتِ حال پر اظہارِ افسوس بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن صرف اظہارِ افسوس سے کام نہیں چلے گا۔ آیئے!

ہم سب مل کر اہلِ سنت کے انتشار و پسپائی کے اسباب اور ان کے تدارک کے طریقوں پر گفتگو اور غور و فکر کریں۔

اختلاف و انتشار کی نفسیاتی وجوہات:۔

سامعینِ کرام! سب سے پہلے اختلاف و انتشار کی نفسیاتی وجوہات کا جائزہ لیتے ہیں۔

در اصل اختلاف رائے انسانی فطرت میں داخل ہے۔ کسی ایک بات پر چند لوگوں کا بھی متفق ہونا مشکل ہوتا ہے، خصوصاً ذہین، تعلیم یافتہ اور صائب الرائے افراد کا متفق الرائے ہونا تو محالات میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی و سماجی امور ہوں یا مذہبی افکار و عقائد، نظریاتی ہم آہنگی بہت جلد کافور ہو جاتی ہے اور عقائد و اعمال میں صدہا اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ عمل زمان و مکان سے مبرا ہے، تمدنی زندگی کی ابتدا سے ہو رہا ہے اور انتہا تک ہوتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مذہب صدہا فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم ہونے سے محفوظ نہ رہ سکا۔

اسی کے پیشِ نظر مخبر صادق اور بعد از خدا کائنات کی سب سے علیم و خبیر ہستی نے یہ خبر دے دی تھی کہ یہود و نصاریٰ تو ۷۲/۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئے لیکن میری امت ۷۳/ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا، باقی سب فکری و عملی گمراہی میں مبتلا ہو کر فی النار ہوں گے۔ غالباً ۷۲/ اور ۷۳/ کا عدد بھی محاورۃً اور ایک بڑی تعداد کے اظہار کے لیے ہے، ورنہ اُن فرقوں اور ان کے ذیلی فرقوں اور مسلکوں کا شمار کیا جائے جن کے عقائد و اعمال تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں تو شاید یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو جائے گی۔

آیئے! اب اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ مسلمانوں میں اختلافِ رائے اور فرقہ بندی کی ابتدا کی وجوہات کیا ہیں اور ابتدا کیسے ہوئی۔۔۔

مسلمانوں میں اختلافِ رائے اور فرقہ بندی کی وجوہات اور ان کی ابتدا:۔

امتِ مسلمہ میں بڑے اختلاف کی ابتدا رسولِ اکرم فخرِ بنی آدم ﷺ کے وصال اور آپ کی خلافت کے قیام سے ہوئی۔ اس وقت مہاجرین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق میں تھے تو انصارِ مدینہ حضرت سعد بن عُبادہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ جب کہ مہاجرین میں سے ہی بنو ہاشم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے متمنی تھے۔ اس وقت یہ اختلاف صرف فکری و نظریاتی اختلاف تھا، البتہ اُس فکری و نظریاتی گمراہی کی بنیاد بنا جو آگے چل کر وسیع سے وسیع تر اور عمیق سے عمیق تر ہوتی چلی گئی اور آج تک برقرار ہے، بلکہ غالباً صبحِ قیامت تک رہے گی۔

شیخینِ کرام کے دور میں یہ اختلاف معمولی تھا اور دَبا رہا لیکن خلافتِ عثمانی کے قیام کے ساتھ ہی باقاعدہ دو گروہ شیعانِ علی اور شیعانِ عثمان کے نام سے موسوم کیے جانے لگے۔ حالاں کہ ان دونوں بزرگوں میں مکمل اتحاد و یگانگت تھی اور حضرت علی ان کے معین و مددگار تھے۔ یہ حضرات سطحی و گروہی اختلاف سے مبرا تھے۔

عوام سے پیدا ہونے والے اختلاف نے خلافتِ عثمانی کے خلاف در پردہ سازشوں اور پروپیگنڈے کا دور شروع کر دیا، جس نے بالآخر حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کی صورت اختیار کر لی اور نتیجہ ان کی الم ناک شہادت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان ہی حالات میں خلافتِ علی کا قیام ہوا جسے ان شیعانِ عثمان نے ماننے سے انکار کر دیا جن کی قیادت امیر معاویہ کر رہے تھے۔ نتیجہ جنگِ صفین کی صورت میں وقوع پذیر ہوا اور برادر کشی کی تاریخ رقم کی گئی۔ اسی جنگ میں قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کرنے سے نئے اختلافات اور نئے گروہ پیدا ہوئے۔ ایک گروہ جس نے واضح اختلاف کر کے خود کو حضرت علی سے علاحدہ کر لیا، حروریہ اور پھر "خوارج" کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ گروہ نہ صرف حضرت علی سے علاحدہ ہوا بلکہ معاذ اللہ خود انھیں کافر قرار دے کر ان سے آمادۂ جنگ ہو گیا۔ بالآخر نہروان کے مقام پر حضرت علی کے ہاتھوں شکست و ریخت اور استیصال کا شکار ہوا۔ اس گروہ کے چند افراد ہی جان بچا کر بھاگ سکے۔

اس وقت مسلمان واضح طور پر تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جو حضرت علی کی محبت میں غلو کرتا تھا اور خلافت کو انھیں کا حق مان کر خلفائے ثلاثہ کو غاصب کہتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان لوگوں میں شدت آئی اور انھوں نے خلفائے ثلاثہ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام پر سب و شتم اور لعن طعن شروع کر دی۔ اسی وجہ سے انھیں "روافض" کہا گیا۔ یہ عموماً شیعانِ علی اور اب "شیعہ" کہے جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ خود ان کے درجنوں ذیلی فرقے اور مسلک بن گئے۔

دوسرا گروہ خوارج کا تھا جو حضرت علی کے بعض کاموں کی وجہ سے انھیں کافر قرار دے کر ان سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس

طرح مخبر صادق اور صاحبِ علم ماکان ومایکون ﷺ کی وہ پیشن گوئی بھی پوری ہوئی کہ ایک گروہ علی کی محبت میں اور ایک عداوت میں ہلاک ہوگا۔ ان دوانتہاؤں کے درمیان مسلمانوں کا سوادِ اعظم مسلک اعتدال پر قائم رہا۔ اس نے حضرت علی کی محبت کو جزوِ ایمانی تو سمجھا لیکن دوسرے اصحاب کرام کی قیمت پر نہیں ۔ یہی صحابۂ کرام، اولیاے عظام اور اہلِ حق کا مسلک ہے۔ اسی کے متعلق آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ناجی فرقہ وہ ہوگا جو میری اور میرے اصحاب کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔ الحمد للہ! ہم اہلِ سنت آج بھی اسی مسلکِ اعتدال پر قائم ہیں۔

تمام گم راہ فرقوں کی اصل خوارج ہیں یا روافض:۔

اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اب تک جتنے گم راہ وبے دین فرقے پیدا ہوئے ہیں ان کی نظریاتی ہم آہنگی خوارج کے ساتھ ہے یا روافض کے ساتھ اور یہ سب اپنی تعداد اور قوت کے اعتبار سے خواہ کتنے اور کیسے بھی رہے ہوں، کبھی بھی اکثریت میں نہیں رہے۔ اکثریت ہمیشہ مسلکِ اعتدال مسلک اہلِ سنت کی ہی رہی ہے۔

مختلف ادوار میں اہلِ سنت کو گم راہ فرقوں سے معرکے در پیش رہے ہیں۔ کبھی ان گم راہ فرقوں کو غلبہ بھی حاصل ہوا ہے اور حکومت کی پشت پناہی بھی۔ اسی کے زور پر وہ غالب اور زبردست بھی نظر آئے ہیں، لیکن اہلِ سنت صدہا نشیب و فراز سے گزرنے کے باوجود مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہی رہے ہیں۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت ہمیشہ مسلکِ اعتدال سے ہی وابستہ رہی ہے اور الحمد للہ آج بھی ہے۔ طلبۂ عزیز! اب اصل کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

وہابیت سے درپیش معرکے اور ان کے اثرات وخطرات:۔

گزشتہ دوصدیوں سے اور فی الوقت بھی اہلِ سنت کو سب سے بڑا اور زبردست معرکہ وہابیت سے درپیش ہے۔ وہابی تحریک نے عالمِ اسلام پر اپنے بڑے گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آج بھی یہ تحریک اپنی پوری شدت و قوت کے ساتھ جاری ہے۔ ممالکِ اسلامیہ کے ایک بڑے حصہ پر اسی کا تسلط ہے ۔ سعودی عربیہ میں اسی تحریک کے پر جوش حامیوں کی حکومت ہے۔ دوسرے عرب ممالک میں بھی اس کے زبردست حامی و موید موجود ہیں۔ برصغیر میں دیوبندی مکتبِ فکر کی نظریاتی ہم آہنگی اسی تحریک کے ساتھ ہے۔ تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی کے افراد نیز اصلاحی، فلاحی، ندوی وغیرہم تقریباً ان ہی عقائد ونظریات کے حامل ہیں جو وہابی تحریک کے نظریات اور عقائد سمجھے جاتے ہیں۔ خود کو اہلِ حدیث اور سلفی کہنے والے تو وہابیت کے پر جوش حامی اور مبلغ وترجمان ہیں۔

وہابیت کی یہ تحریک نجد کے اسی علاقے سے شروع ہوئی جہاں سے اسلام کے خلاف پہلا شر اور پہلی بغاوت مسیلمہ کذاب کی صورت میں ابھری تھی۔ اسی علاقے کے متعلق آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اس علاقے سے فتنے، زلزلے اور قرن الشیطان (شیطان کی سینگ) نکلے گا۔

اس تحریک کے بانی محمد بن عبد الوہاب نجدی کا خاندان علمی خاندان تھا۔ ان کے والد اور بھائی صحیح العقیدہ عالم تھے اور انھوں نے ان کے افکار و نظریات کی مخالفت بھی کی لیکن ان کی روح میں شروع سے ہی بے چینی وبغاوت تھی۔ انھیں آٹھویں صدی ہجری کے عالم ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے افکار وخیالات میں بڑی دل چسپی تھی جو اپنے دور میں تقلید سے بے زار، خروج کی طرف مائل اور شاہ راہِ عام سے ہٹ کر چلنے والے تھے۔ شیخ نجدی نے بھی انھیں کا اتباع کیا۔ انھیں مسلمانوں کے مروجہ افکار واعمال میں شرک وبدعت نظر آئی۔ خود انھوں نے اور ان کے متبعین نے اس وقت کے مسلمانوں کا حال کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے تمام مسلمان اسلام سے یک لخت برگشتہ ہو چکے تھے۔ دوسری جگہوں کا کیا ذکر خود حرمین شریفین میں بت پرستی کے گڑھ اور فسق و فجور کے اڈے قائم ہوگئے تھے۔ خداے واحد کی جگہ بزرگوں اور ان کے مزارات کی پرستش ہونے لگی تھی اور ان سے مرادیں مانگی جانے لگی تھیں۔ وغیرہم۔ (جاری)

☆☆☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

مراد آباد میں

جناب حافظ افتخار حسین صابری صاحب

سجادہ نشیں حضرت باقر علی شاہ پہلوان کی درگاہ

لاجپت نگر، مراد آباد (یو.پی.) 244001